قسط نمبرا

کتب خانے

محترم احمد شلبی

(ا) کتب خانے اور تعلیم

ممکن ہے بعض لوگ کہیں کہ تعلیم کی اس بحث و تحقیق میں کتب خانوں کو کیوں شامل کیا گیا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے، نہ صرف موجودہ دور کی لائبریریوں کے فرائض پورے کرتے تھے بلکہ وہ تعلیم گاہوں کا کام بھی دیتے تھے اس کے علاوہ پہلی اسلامی اکیڈمی (بیت الحکمہ) کتب خانے کے ساتھ قائم کی گئی تھی، یہی وجہ ہے کہ مؤرخین میں اس بات پر اختلاف ہے کہ اسے کتب خانہ سمجھا جائے یا درسگاہ؟ بہرحال یہ ادارہ آئندہ نسلوں کے لیے ایک نمونہ بن گیا اور سرکاری اور نجی طور پر اس قسم کے کتب خانے قائم ہوتے رہے۔ سرکاری اداروں کا ذکر تو ہم بعد میں کریں گے، یہاں چند ایسے کتب خانوں کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں جہاں درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ یاقوت کہتا ہے:

☆ علی بن یحییٰ المنجم (۲۷۵ ہجری) کے عالیشان محل میں جو بغداد سے قریب قفص نامی گاؤں کے نواح میں واقع تھا ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جو خزانۃ الحکمہ کے نام سے مشہور تھا۔ حصول علم کی خاطر مختلف شہروں کے لوگ دور دراز سے سفر کر کے وہاں پہنچتے تھے۔ جو لوگ کتب خانے کی عمارت میں رہنا چاہتے، ان کے لیے علی بن یحییٰ کی طرف سے قیام و طعام کا بھی مناسب انتظام تھا۔ ان میں سے ایک مشہور طالب علم ابو معشر المنجم تھے۔ خراسان سے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کے لیے جاتے ہوئے انھوں نے راستے میں یہ کتب خانہ دیکھا تھا اور جب اس کے اندر پہنچے، تو کتابوں کا اتنا زبردست ذخیرہ دیکھ کر حیران رہ گئے، چنانچہ انھوں نے زیارت کا ارادہ ترک کر دیا اور علم نجوم سیکھنے کے لیے وہیں ٹھہر گئے۔ آخر کار انھوں نے اس فن میں کمال پیدا کیا۔

☆ ابوالقاسم جعفر بن محمد بن حمدان الموصلی (وفات ۳۲۳ھ) نے موصل میں اسی نوعیت کا دارالعلم قائم کیا جس کے ساتھ ایک قیمتی کتب خانہ بھی موجود تھا۔ جس میں تمام علوم کی کتابیں تھیں اور جو طلبا کے لیے وقف تھا۔ وہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت تھی اور غریب طلبا کو مالی امداد دی جاتی تھی، یہ کتب خانہ روزانہ کھلا رہتا تھا، جعفر خود وہاں درس دینے کے لیے بیٹھتے اور اپنی تصانیف کے اقتباسات سنایا کرتے تھے۔

☆ شہر "رام ہرمز" کا ذکر کرتے ہوئے المقدسی نے بتایا ہے کہ اس میں بصرہ کے کتب خانے کی طرح، ایک کتب خانہ تھا، دونوں کتب خانے ابو علی ابن سوار نے قائم کیے تھے، وہ طلبا کے کھانے کا بھی انتظام کرتے تھے۔ بصرہ کا کتب خانہ بڑا تھا اور اس کی عمارت بھی زیادہ وسیع تھی۔ طلباء کتابوں کے اس قیمتی خزانے سے فائدہ اٹھانے کے لیے وہاں پہنچتے تھے۔ کتب خانے میں ماہر علم الکلام ایک شیخ بھی مقرر تھے، جو المعتزلہ عقیدے کے مطابق درس دیا کرتے تھے۔

☆ ابوالعلی المعریٰ اکثر مطالعے کے لیے "خزانۃ السابور" میں بیٹھا کرتے تھے، یہ دارالعلم "سابور بن اردشیر" (وفات ۴۱۶ھ) نے قائم کیا تھا، وہاں آئے دن مباحثے اور مناظرے ہوتے، جن میں ابوالعلی پیش پیش رہتے تھے۔ کتب خانوں کو اس کتاب کے پہلے باب میں شامل کیا جا سکتا تھا لیکن کتب خانوں کو اسلامی تعلیم میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ اس خیال سے میں نے مناسب سمجھا کہ ایک علیحدہ باب میں اس سے بحث کی جائے۔

(ب) کتابوں کی اخلاقی اہمیت

عربوں نے کتابوں کا ذکر ہر جگہ بڑی محبت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ وہ کتابوں کو عزیز ساتھی اور نیک رہنما سمجھتے ہیں۔ اگر آپ کسی عرب کو کتابوں کا ذکر کرتا ہوا سُنیں تو آپ کو ایسا محسوس ہو گا جیسے وہ اپنے کسی عزیز دوست یا بھائی کی بات کر رہا ہو۔ مشہور ہے کہ کسی خلیفہ نے ایک عالم کو شام کے وقت گفت و شنید کی خاطر بلوا بھیجا۔ یہ عالم اس وقت بعض نایاب کتابوں کے مطالعے میں مصروف تھے چنانچہ انھوں نے جواب دیا "میرے پاس اس وقت کچھ ہمدرد دوست جمع ہیں جن سے میں گفتگو کر رہا ہوں۔ اس لیے میں بعد میں حاضر ہو سکوں گا۔" یہ جواب سُن کر خلیفہ کو جلال آگیا اور انھوں نے حکم دیا کہ اس شخص کو فوراً دربار میں حاضر کیا جائے۔ خلیفہ نے پوچھا "آخر وہ کون لوگ ہیں جنھیں چھوڑ کر میرے پاس آنا گوارا نہیں" عالم نے جواب دیا "یا امیر المومنین، دانشوروں کی ایسی جماعت ہے جو ہمیں علم، عظمت اور رہنمائی عطا کرتی ہے، آپ چاہیں تو انھیں مردہ بھی کہہ سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو زندہ و بیدار بھی سمجھ سکتے ہیں۔"

کتابوں سے محبت اور احترام کا یہ جذبہ دراصل الجاحظ کی تصنیفات و تعلیمات کی بدولت پیدا ہوا، اس سے پہلے لوگ نثر کی بجائے صرف شاعری سے لطف اندوز ہوتے تھے اور دوسری کتابوں کی نسبت شعری مجموعے کی زیادہ قدر کرتے تھے۔ الجاحظ کی تصانیف اور اقوال سے متاثر ہو کر لوگ پہلی بار نثری ادب کی طرف متوجہ ہوئے۔

کتاب کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے لکھا ہے: "تمام چیزوں کے مقابلے میں کتاب کا حصول آسان اور کم خرچ ہے، اس میں تاریخ اور سائنس کے عجائبات دیکھے جا سکتے ہیں، یہ دانشوروں کے علم و تجربے کا خزانہ ہے اور سابقہ نسلوں اور دُور دراز کے علاقوں کی معلومات بہم پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ بھلا ایسا کون مہمان ہو سکتا ہے جو آپ کے سایہ کی طرح ساتھ بھی رہے اور الگ بھی ہو جائے۔ جب تک آپ کو خاموشی پسند ہو گی کتاب خاموش رہے گی اور جس وقت آپ گفتگو کرنا چاہیں گے وہ ایک شیریں کلام ہمنشیں بن جائے گی۔ آپ کی مصروفیت کے دوران یہ انوکھا مہمان کبھی مداخلت نہیں کرتا، لیکن جب آپ خود کو تنہا محسوس کرنے لگیں تو وہ ایک اچھا رفیق ثابت ہو گا۔ کتاب ہماری دوست ہے ایسا دوست جو نہ تو کبھی فریب دیتا ہے نہ خوشامد کرتا ہے۔ ایک ایسا رفیق جو ہم سے کبھی بھی بیزار نہیں ہوتا۔"

محمد بن عبدالملک الزیات، بیماری کے سبب کچھ دنوں تک باہر نکلنے سے معذور ہو گئے تھے۔ علم و ادب کے شیدائی الجاحظ ان کی عیادت کو جانے لگے تو انھوں نے کوئی چیز بطور تحفہ لے جانی چاہی۔ اس موقع کے لیے انھوں نے کتاب سیبویہ کا انتخاب کیا، یہ الکسائی کی تصنیف ہے اور الفراء نے اس پر نظرثانی کی تھی۔ الزیات نے یہ تحفہ پانے پر کہا "یہ انتخاب لاجواب ہے اور میری نظر میں اس سے بڑھ کر کوئی اور تحفہ نہیں ہو سکتا تھا۔" عبدالسلام ہارون نے لکھا ہے کہ "الجاحظ تو کتابوں پر جان دیتے تھے لیکن کتابیں ان پر مہربان نہیں تھیں" وہ کتابوں کی عزت و تکریم کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے، کتابیں جمع کرنے پر کثیر رقمیں صرف کرتے، لیکن یہی کتابیں ان کی موت کا سامان بن گئیں۔ ان کا دستور یہ تھا کہ وہ پڑھنے کے لیے اپنے گرد کتابوں کا انبار لگا کر بیٹھتے۔ ایک دن کتابوں کا ایک ڈھیر ان پر گر پڑا جس کے نیچے وہ دب گئے اور ضعیف اور معمر ہونے کے سبب جانبر نہ ہو سکے۔

ایک عالم کا قول ہے "کتاب ایک ایسا چمن زار ہے جسے ہم اپنی آستین میں رکھ سکتے ہیں۔ ایک ایسا مرغزار جو ہمارے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ کتاب مُردوں کی زبان اور زندوں کی ترجمان ہے۔ کتاب ہمارے لیے ایک ایسا رفیقِ شام تنہائی ہے جسے ہم سے پہلے نیند نہیں آتی۔ اور ہماری مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کہتا۔ یہ دانائے راز رفیقِ شام، نہ تو ہمارے راز کو افشا کرتا ہے نہ ہی ہماری خوش حالی پر حسد کرتا ہے۔ یہ ایک انتہائی وفا شعار ہمسایہ، اچھا دوست، خدمت گزار ساتھی، منکسر المزاج استاد، ماہر فن اور خردمند رفیق ہے۔"

خلیفہ المستکفی ایک کمزور حکمران تھا، ایک بار اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ وہ وقت گزاری کے لیے کچھ کتابوں کا انتظام کردے۔ وزیر نے اپنے حکام کو ہدایت کی کہ "اس حکم کی تعمیل کی جائے البتہ خلیفہ کو کتابیں دینے سے پہلے مجھے دکھادی جائیں، حکام نے جن کتابوں کا انتخاب کیا ان میں تاریخ، انتظام سلطنت اور مالیات کی کتابیں شامل تھیں، وزیر انھیں دیکھ کر حکام پر برس پڑا اور کہا "واللہ یہ تو خلیفہ کی رہنمائی کریں گی ان کو پڑھ کر اس کے دل میں عزم اور حوصلہ پیدا ہوسکتا ہے اور اسے اپنے حقوق و فرائض سے آگاہی حاصل ہو گی اور میں تو یہ چاہتا ہوں کہ وہ اس قسم کے کار آمد علوم سے بے خبر رہے۔ تم اسے طربیہ حکایات و اشعار کی کتابیں لا کر دو۔" مشہور عربی شاعر المتنبی نے کہا تھا "اس دنیا میں اعلیٰ ترین مسند، گھوڑے کی زین ہے اور بہترین رفیق کتاب ہے۔"

(ج) کتب خانوں کی اخلاقی اہمیت

کتابوں کی اس قدر افزائی کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور ہی سے کتابیں جمع کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ کتابوں کی فراہمی کا حال ہم بعد میں بیان کریں گے۔ یہاں مختصراً بتایا جائے گا کہ کتب خانوں پر کیسی حیرت انگیز توجہ دی جاتی تھی۔ ۳۵۵ ہجری میں خراسان کے سپاہیوں نے وزیر ابن العمید کے محل کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، یہاں تک کہ ایک کوزہ اور گلاس بھی باقی نہ رہ گیا۔ لیکن ابن العمید کو اگر غم تھا تو اپنے کتب خانے کا، جس کے متعلق اسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ کچھ ہی دیر بعد کتب خانے کے خازن مشہور عالم ابن مسکویہ نے آکر بتایا کہ کتابیں محفوظ کر دی گئی ہیں اور کوئی کتاب ضائع نہیں ہوئی۔ ابن العمید یہ سن کر بے حد خوش ہوا اور ان سے کہا "تم نے بڑی مبارک خبر سنائی ہے۔ کتب خانے کے سوا ہر چیز دوبارہ حاصل ہو سکتی ہے۔"

نوح بن منصور السامانی نے الصاحب بن عباد کو وزارت عظمیٰ کی پیش کش کی لیکن انھوں نے قبول نہیں کی اور انکار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی کتابوں کو منتقل کرنا ایک دشوار مسئلہ تھا۔ یہ کتابیں چار سو اونٹوں کے بوجھ کے برابر تھیں، چنانچہ انھوں نے اس معزز منصب کو ٹھکرادیا لیکن اپنی محبوب کتابوں سے جدائی گوارا نہیں کی۔ طرابلس الشام کے بنو عمار نے ماہروں اور تاجروں کو نادر اور جدید کتابیں جمع کرنے کے کام پر لگا رکھا تھا اور وہ ان کے کتب خانوں کے لیے ساری دنیا میں مختلف فنون کی کتابیں تلاش کیا کرتے تھے۔ القاضی الفاضل کے چھوٹے صاحبزادے کو پڑھنے کے لیے الحماسہ کی ضرورت تھی۔ انھوں نے ابن صورہ الکتبی سے کہا کہ وہ ایک نسخہ والد بزرگوار سے دلوادیں۔ الکتبی، القاضی الفاضل کے پاس پہنچے اور ان کے ذاتی کتب خانے سے صاحبزادے کے پڑھنے کے لیے کتاب کی ایک جلد طلب کی۔ الفاضل نے خادم کو حکم دیا کہ "اس کتاب کے تمام نسخے میرے سامنے نکال کے رکھے جائیں تاکہ میں صاحبزادے کے پڑھنے کے لیے سب سے معمولی نسخہ دے سکوں۔" چنانچہ ان کے سامنے اس کتاب کی پینتیس جلدیں رکھ دی گئیں، انھوں نے ہر نسخے کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور محسوس کیا کہ ہر نسخے میں کوئی نہ کوئی ایسی خصوصیت ہے جس کی بنا پر وہ انھیں پسند ہے۔ آخر کار انھوں نے اعلان کر دیا کہ یہ تمام نسخے نوجوان طالب علم کے معیار سے بہت زیادہ اونچے ہیں، ساتھ ہی انھوں نے ابن صورہ کو حکم دیا کہ صاحبزادے کے لیے کتاب کی ایک جلد بازار سے قیمتاً منگوالی جائے۔ اگر ہم مصر سے اندلس کی طرف بڑھیں تو ہمیں کتابوں کی فراہمی کے سلسلے میں حیرت انگیز واقعات ملیں گے۔

صاحب اندلس الحکم کتابیں جمع کرنے کے لیے تمام مشرقی ممالک میں اپنے کارندے بھیجا کرتے تھے۔ جب ابی الفرج الاصفہانی کی مشہور کتاب الاغانی کے مکمل ہونے کی خبر عراق سے اندلس پہنچی تو الحکم نے اپنا خاص ایلچی معہ ایک ہزار طلائی دینار مصنف کی خدمت میں بھیج کر یہ درخواست کی کہ اس کی پہلی جلد اس کے کتب خانے کے لیے محفوظ کر لی جائے۔ اس کی خواہش تھی کہ عراق سے باہر جانے والا پہلا نسخہ اسی کا ہو۔

ہر چند عام لوگ علماء کے مقابلے میں کتب خانوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن انھیں بھی اپنے گھروں میں کتب خانے قائم کرنے کا شوق ہو گیا تھا اس لیے کہ کتب خانے کی بدولت ان کی عزت اور مرتبے میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے میں المقری کے بیان کردہ ایک واقعہ کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں، اندلس کے عالم الحضرمی کی یہ روایت المقری یوں نقل کرتا ہے:"جن دنوں میں قرطبہ میں رہتا تھا میں اکثر اس کی کتابوں کی منڈی میں جایا کرتا تھا کیوں کہ مجھے ایک کتاب کی ضرورت تھی جس سے مجھے خاص طور پر دلچسپی تھی، آخر کار اس کا ایک نسخہ جس کا "خط فصیح اور تفسیر ملیح" تھی میرے ہاتھ لگا، مارے خوشی کے میں نے اس کی بولی دی مگر ہر مرتبہ کوئی دوسرا میری بولی سے زیادہ بولی دے دیتا۔ یہاں تک کہ اس نیلام میں میں نے محسوس کیا کہ کتاب کی قیمت حدِ اعتدال سے تجاوز کر گئی۔ میں نے نیلام کرنے والے سے کہا مجھے اس بولی دینے والے کو دکھاؤ جس نے کتاب کی قیمت کو اس کی اصل حیثیت سے بڑھادیا ہے، چنانچہ وہ مجھے ایک عجیب وغریب لباس والے شخص کے پاس لے گیا جس کے پہنچتے ہی میں نے کہا۔ "اللہ تعالیٰ میرے آقا فقیہ کو توانا رکھے، اگر آپ کے زیرِ نظر اس کتاب کے حصول میں کوئی خاص مقصد ہے تو میں اسے جانے دوں کیوں کہ بولی تو پہلے ہی حدِ اعتدال سے آگے بڑھ گئی ہے۔" اس پر اس نے جواب دیا "میں فقیہ نہیں ہوں اور نہ مجھے اس کتاب کے نفسِ مضمون ہی کا علم ہے، میں نے تو صرف ایک لائبریری بنائی ہے جس کو ہر طرح سے بنایا سنوارا ہے تاکہ میں بھی عمائدینِ شہر کے زمرہ میں فخر محسوس کروں اس میں اب بھی ایک جگہ خالی ہے جس کو یہ کتاب نہایت عمدگی سے پُر کر دے گی۔ چونکہ اس کی کتابت دیدہ زیب اور جلد نفیس تھی میں نے اسے پسند کیا اور اس بات کا مطلق خیال نہ کیا کہ اس کی مجھے کیا قیمت دینا پڑی ہے، اللہ کا شکر ہے کہ میں صاحبِ مقدرت ہوں۔"

(د) عمارات وانتظامات

اولگا نپٹو نے لکھا ہے کہ "اسلامی کتب خانوں کی عمارتوں پر خاص توجہ دی جاتی تھی۔ بعض جگہوں پر مثلاً شیراز، قرطبہ اور قاہرہ میں کتب خانوں کی علاحدہ عمارتیں تھیں ان میں مختلف مقصد کے لیے بہت سے کمرے ہوتے تھے۔ گیلریوں میں کتابوں کی الماریاں رکھی جاتی تھیں۔ مطالعے کا کمرہ الگ ہوتا تھا۔ نسخوں کی نقلیں کرنے والوں کے کمرے علاحدہ تھے۔ بعض کمرے ادبی مجلسوں کے لیے مخصوص ہوتے تھے اور کہیں کہیں موسیقی کے پروگراموں کے لیے بھی کمرے ہوتے تھے۔ تمام کمرے ضروری ساز وسامان سے آراستہ رہتے۔ فرش پر دریاں اور قالین بچے رہتے تھے جن پر لوگ مشرقی انداز میں پالتی مار کر بیٹھتے اور لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتے تھے۔ دروازوں اور کھڑکیوں پر پردے پڑے رہتے تھے۔ بڑے دروازے پر دبیز پردہ ڈالا جاتا تھا تاکہ ٹھنڈی ہوا سے بچت ہو۔

فاطمیوں کے عظیم کتب خانے کی عمارت اتنی وسیع وعریض تھی کہ اس میں چالیس کمرے تھے اور ہر کمرے میں اٹھارہ ہزار کتابیں رکھی جاسکتی تھیں۔ المقدسی نے شیراز میں عضدالدولہ کے کتب خانے کی مکمل تفصیلات مہیا کی ہیں۔ ہم صرف عمارت اور انتظام سے تعلق رکھنے والی چیزوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ اس نے لکھا ہے کتب خانے میں ایک طویل گیلری تھی جس کے ساتھ اسٹور روم بھی تھے۔ اسٹور روم اور گیلری کی دیوار کے ساتھ ساتھ کتابوں کی الماریاں رکھی ہوئی تھیں جن میں بہت سے خانے ہوتے تھے۔ کتابیں ان خانوں میں ترتیب کے ساتھ رکھی جاتی تھیں اور ہر مضمون کی کتابوں کے لیے ایک علاحدہ شعبہ ہوتا تھا۔" مضامین کے اعتبار سے کتابوں کی تقسیم کا رواج ہر کتب خانہ سامانیہ میں مطالعہ کرتے تھے، اس کا حال ان لفظوں میں لکھا ہے۔ "میں ایک عمارت میں داخل ہوا جس میں بہت سے کمرے تھے ہر کمرے میں کتابوں کی الماریاں تھیں۔ ایک کمرے میں عربی کی کتابیں اور شاعری کے مجموعے تھے، دوسرے میں فقہ کی کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ اسی طرح ہر کمرے میں مختلف مضامین کی کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔

قرونِ وسطیٰ کے مسلمانوں کو آج کل کی طرح کتابوں کو کھڑا کر کے رکھنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا۔ کتابیں لٹا کے تلے اوپر رکھی جاتی تھیں۔ اس لیے تاکید کی جاتی تھی کہ چھوٹی کتابوں پر بڑی کتابیں نہ رکھی جائیں کیوں کہ اس طرح کتابیں گر جانے کا اندیشہ تھا۔ اس کے علاوہ کتابوں کو موجودہ طریقے کے برعکس اس طرح رکھا جاتا کہ ان کی پشت باہر کی طرف رہتی اور اس کے ایک سرے پر کتاب اور مصنف کا نام درج کر دیا جاتا تھا، قیمتی کتابیں عموماً گتے کے صندوقوں میں رکھی جاتی تھیں اور ان کے اوپر بھی مصنف اور کتاب کے نام کی چٹ لگی رہتی تھی۔ اس طرح کتاب تلاش کرنے میں آسانی ہوتی تھی۔ مصر کے دار الکتب میں ایسی کافی کتابیں محفوظ ہیں جو پرانے زمانے کی ہیں اور ان پر اسی انداز سے نام وغیرہ لکھے ہوئے ہیں۔ میں نے لائبریری کے منتظموں کی اجازت سے، ان کتابوں کو قرون وسطیٰ کے انداز پر ترتیب سے رکھا اور ان کا فوٹو لیا تھا۔ عام طور پر کتابوں کی الماریاں کھلی رہتی تھیں اور ہر شخص اپنی ضرورت کی کتاب نکال سکتا تھا۔ البتہ بعض الماریاں مقفل رکھی جاتیں کیوں کہ ان میں نادر اور قیمتی نسخے ہوتے تھے، ان نسخوں کو دیکھنے کے لیے مجلسِ انتظامیہ کے کسی رکن سے اجازت لینی ضروری تھی۔

(س) فہرستیں

ہر بڑے سرکاری اور نجی کتب خانے کے ساتھ ساتھ فہرستوں کا تذکرہ بھی پایا جاتا ہے۔ ان فہرستوں کی مدد سے لوگوں کو کتابیں حاصل کرنے میں بڑی سہولت ہوتی تھی، اس کے علاوہ ہر الماری پر ایک چٹ لگی رہتی تھی جس پر اس الماری کی کتابوں کی تفصیل درج ہوتی تھی۔ اگر کوئی کتاب نامکمل ہو یا اس کا کوئی حصہ غائب ہو تو چٹ پر اس کے متعلق لکھا ہوتا تھا۔ آیئے ہم اسلامی دنیا کے کتب خانوں کا سرسری جائزہ لیں تاکہ ان فہرستوں کے متعلق کچھ معلومات مہیا کی جائیں۔

المقدسی نے شیراز میں عضد الدولہ (۳۷۲ھ) کے کتب خانے کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "کتب خانے کے ہر شعبے کے لیے فہرستیں مرتب کی گئی ہیں جن میں کتابوں کے نام درج ہیں۔" کہا جاتا ہے کہ ابو الحسن البیہقی نے الصاحب بن عباد (۳۸۵ھ) کی فہرست دیکھی تھی اور ان کا بیان ہے کہ یہ فہرستیں دس جلدوں میں تھیں۔ بو علی سینا نے بخارا میں سامانیوں کے کتب خانے میں ایک فہرست دیکھی اور پھر انھوں نے اپنی پسند کے مطابق چند کتابوں کی فرمائش کی جو فوراً انھیں مل گئیں۔ ان کا بیان ہے "میں نے ان کتابوں کو دیکھا جن کا بہت سے لوگ نام بھی نہیں جانتے ہوں گے۔ میں نے کتابوں کا اتنا نادر ذخیرہ نہ تو اس سے پہلے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی بعد میں دیکھنے کا اتفاق ہوا۔"

عراق میں شہرہ آفاق کتب خانہ خزانۃ الحکمۃ کے قیام کے وقت ہی سے فہرستوں کا رواج ہو گیا تھا۔ الحسن بن سہل روایت کرتے ہیں کہ المامون کو ایک کتاب کی تلاش تھی، اس نے "خزانۃ الحکمۃ" کی فہرست منگوائی اور خلیفہ کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ ایسی اہم کتاب اس فہرست میں شامل ہونے سے رہ گئی ہے۔ بغداد کے مدرسے نظامیہ کے کتب خانے میں ایک مکمل فہرست تھی جسے ابن الجوزی نے دیکھا تھا۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس فہرست میں چھ ہزار کتابوں کے نام درج تھے۔ المستنصر کے کتب خانے کے افتتاح کے موقع پر خلیفہ کے نجی کتب خانے کے ناظم ضیاء الدین احمد اور شیخ عبد العزیز کو یہ کام سونپا گیا تھا کہ وہ صفحات و اوراق کی صحت کے ساتھ کتابیں وصول کریں، ان پر نام لکھوا کر سلیقے سے رکھوائیں اور مضامین کے اعتبار سے ان کی فہرستیں تیار کریں تاکہ پڑھنے والوں کو آسانی ہو۔ مصر میں فاطمیوں کی لائبریری میں کئی کمرے تھے، ابتدا میں وہاں کوئی بڑی فہرست مرتب نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ہر کمرے کے دروازے پر کتابوں کی ایک فہرست لٹکا دی گئی تھی۔ ۴۳۵ ہجری میں وزیر ابو القاسم الجرجانی نے حکم دیا کہ اس کتب خانے کے لیے ایک جامع فہرست مرتب کی جائے۔ یہ کام قاضی ابو عبداللہ القضاعی اور ابو خلف الوراق کے سپرد کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ہسپانیہ میں الحکم کے کتب خانے میں کتابوں کی فہرستیں بڑی محنت اور خوش انتظامی سے تیار کی گئی تھیں۔ چنانچہ المقری کے بیان کے مطابق "شعرا کے دواوین کی خاص فہرستیں چوالیس جلدوں میں تھیں۔"

(ش) کتابیں مستعار لینے کا طریقہ

ابن جماعہ لکھتے ہیں "کتابیں مستعار دینے کا طریقہ بڑا مستحسن ہے اور میں اس کی سفارش کرتا ہوں۔ شرط یہ ہے کہ ایسا کرنے سے نہ دینے والے کا نقصان ہو، نہ لینے والے کا۔ رسول کریم ﷺ کی حدیث ہے۔ "جو شخص تدوینِ حدیث میں مصروف ہو اس کا پہلا شرف یہ ہے کہ اسے دوسروں کو کتابیں مستعار دینے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔" ابو العتاہیہ نے ایک موقع پر ایک ایسے شخص کو اپنی کتاب دینے سے انکار کر دیا جو بقول ان کے اپنی کتابیں مستعار دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن جب اس شخص نے انہیں یاد دلایا کہ جزائے ربانی ہمیشہ ان اعمال کا نتیجہ ہوتی ہے جنھیں آدمی پسند نہیں کرتا، تو انھوں نے اس شخص کو اپنی کتاب مستعار دے دی۔ ابو حیان الغرناطی پڑھنے کے لیے کتابیں خریدنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، وہ کہتے ہیں: "مجھے جن کتابوں کی ضرورت ہوتی ہے، کسی بھی کتب خانے سے حاصل کر سکتا ہوں۔" کتابیں لینے دینے کے اس طریقے پر باقاعدہ عمل کرنے کے لیے چند شرائط ضرور لگائی جاتی تھیں: کتب خانہ قاہرہ میں قواعد کے مطابق کتب خانے سے صرف قاہرہ کے باشندے کتابیں لے سکتے تھے۔ کتابیں کتب خانے سے باہر لے جانے کے لیے زرِ ضمانت جمع کرنا ضروری ہوتا تھا لیکن مشہور علما کو بعض اوقات اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیا جاتا۔ یاقوت نے مرو کے ان کتب خانوں کی فیاضی کی بڑی تعریف کی ہے جہاں اسے دو سو سے زیادہ کتابیں بغیر زرِ ضمانت جمع کیے جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

بعض حالات میں وقت کی پابندی بھی ضروری سمجھی جاتی تھی۔ ابن خلدون نے کتاب العبر کا قلمی نسخہ فاس کے جامعہ القیروان کو بطور عطیہ دے دیا تھا، دستاویز میں یہ شرط ہے کہ نسخہ صرف "باوثوق اور امین" پڑھنے والوں کو مستعار دیا جائے، زیادہ سے زیادہ ۲ ماہ کے لیے دیا جائے اور اس کے عوض خاصا زرِ ضمانت جمع کرا لیا جائے۔ کتاب مستعار لینے والے (مستعیر الکتاب) سے پرزور درخواست کی جاتی ہے کہ وہ کتاب کا مطالعہ انتہائی احتیاط سے کریں اور اسے محفوظ رکھیں، کتاب میں کوئی تصحیح کرنا ضروری ہو تو پہلے اس کے مالک سے اجازت لینا ضروری ہے اسی طرح کتاب کے حاشیوں پر کوئی یادداشت یا کیفیت اس کی رضا کے بغیر نہیں لکھی جا سکتی، کسی کتاب کے شروع اور آخر میں جو خالی صفحات چھوڑے جاتے ہیں انھیں اسی طرح خالی اور قطعی بے تحریر رہنا چاہیے۔ اگر مستعار لے کر پڑھنے والے کو کتاب کے مالک کی یقینی رضا حاصل ہے تو اس میں حسب ضرورت حاشیے لکھے جا سکتے ہیں۔ مستعار لی ہوئی کتاب کسی دوسرے آدمی کو نہیں دی جا سکتی اور نہ اسے ضمانت کے طور پر گروی رکھا جا سکتا ہے، مالک کے طلب کرنے پر کتاب فوراً واپس ہو جانی چاہیے، طلبی کی اطلاع پانے کے بعد کتاب کو بغیر حاجت مزید روکنا قطعی غیر قانونی چیز ہے۔ کتاب واپس نہ بھی مانگی جائے تو لینے والے کو اسے واپس کرنے میں غیر ضروری تاخیر اور سستی نہ کرنی چاہیے اس کے لیے ضروری ہے کہ دینے والے کا احسان مانے، اس کی امداد کا ممنون ہو، اس کا شکریہ ادا کرے اس کے حق میں دعائے خیر کرے۔

ایہا المستعیر منی کتاباً
ارض لی منہ مالنفسك ترضی

اس باب کو ختم کرنے سے پہلے ہمیں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ عالمِ اسلام میں ایسے کتب خانے موجود تھے جہاں برٹش میوزیم کی طرح کتابیں صرف وہیں پڑھی جا سکتی تھیں، القاضی ابن حیان نیشاپوری نے اپنی کتابیں وقف کرتے ہوئے یہ شرط لگا دی تھی کہ انھیں کسی حالت میں بھی مستعار نہ دیا جائے۔ جمال الدین محمود بن علی کے قائم کردہ المدرسہ المحمودیہ کے کتب خانے میں بھی یہی شرط تھی، جمال الدین محمود کی وصیت تھی کہ "اس کتب خانے کی کوئی کتاب عمارت کے باہر نہ جانے پائے۔"

(ص) کتب خانے کا عملہ

کتب خانے کے ملازمین کا انحصار کتب خانوں کے چھوٹے بڑے خاص یا عام ہونے پر تھا لیکن چند عام خصوصیات ایسی تھیں کہ ہر

معقول کتب خانے میں مل سکتی تھیں۔ چنانچہ ذیل میں کتب خانے کے عملہ کی نوعیت کا سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے، کتب خانے کا اسٹاف عام طور پر خازن یا امین المکتبہ مترجمین نساخین، مجلدین، مناولین اور خادمین پر مشتمل ہوتا تھا۔ (ا) لائبریرین۔ خازنِ کتب خانہ

لائبریرین

مہتمم کتب خانہ عام طور پر کتب خانے کے انتظامی اور علمی امور کا نگراں ہوتا تھا، اس کا کام نئی کتابیں مہیا کرنا، حاصل کردہ کتابوں کی فہرست بندی کرنا اور پڑھنے والوں کی رہنمائی کرنے کے علاوہ ان کے لیے طرح طرح کی سہولت بہم پہنچانا تھا۔ کتاب کی ضروری مرمت اور جلد سازی کے احکام مہتمم صادر کرتا، کتابیں مستعار دی جاتیں تو یہ دیکھا جاتا کہ لینے والا کون ہے لائبریرین صرف ایسوں کو کتاب دیئے جانے کی منظوری دے دیتا کہ جن کے متعلق اسے یقین ہوتا کہ وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اگر کسی ایک کتاب کے کئی طلب گار نکل آئے تو غریب آدمی کو ترجیح دی جاتی اس لیے کہ امیر آدمی اپنا نسخہ خرید کر بھی پڑھ سکتا تھا۔ کتب خانے کا نظام چلانے کے لیے ایک مہتمم کافی ہوتا تھا لیکن بڑے کتب خانوں میں اس کی مدد کے لیے نائب مہتمم مقرر ہوتے تھے۔

مہتمم کا ثقافتی مقام

اسلامی کتب خانوں کے قائم ہوتے ہی کتب خانوں کے مہتمم میں اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا ہونا ضروری سمجھا گیا تھا، چنانچہ اس جگہ پر اعلیٰ صلاحیت رکھنے والے اور مشہور علما کا تقرر کیا جاتا تھا، ذیل میں ایسے چند علماء کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے:

سہل بن ہارون، سعید بن ہارون اور سلم، بغداد کے بیت الحکمۃ میں کتب خانے کے مہتمم تھے۔ مشہور و معتبر مؤلف ابن الندیم نے سہل کے بڑے عالم حکیم فصیح، شاعر اور اہم کتابوں کے مصنف ہونے کی شہادت دی ہے۔ ابو عثمان الجاحظ جیسا جید عالم اپنی تصانیف میں سہل اور سعید کے بے تکلف حوالے دیتا ہے۔ الفتح بن خاقان کا شان دار کتب خانہ علیی بن یحییٰ المنجم (متوفی ۲۷۵ھ) نے جمع کر کے ترتیب دیا تھا، یاقوت کی لکھی ہوئی سوانح سے اس لائبریرین کے علم و فضل اور اس کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

- ابوالحسن علی بن محمد الشعبشتی (متوفی ۳۹۰ھ) مشہور عالم کتب خانہ فاطمیہ کا مہتمم تھا، وہ عزیز باللہ کا درباری اور کئی کتابوں کا مصنف بھی تھا، مشہور مورخ علامہ ابن مسکویہ ابن العمید کے کتب خانے کے مہتمم تھے۔ بویہیوں کے وزیر ابونصر سابور بن اردشیر (متوفی ۴۱۶ھ) نے جو خزانۃ السابور قائم کیا تھا اس کا اعزاز یہ ہے کہ اس کا انتظام مستقلاً بڑے عالم حضرات کے ذمہ رہا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: ابوالحسین محمد بن ابی شعیبہ۔ القاضی ابو عبداللہ الحسین بن ہارون الفی۔ ابو احمد عبدالسلام بن الحسین البصری جن کا انتقال ۴۰۵ھ میں ہوا اور جو ابوالعلا معریٰ کے ہم عصر اور ان کے گہرے دوست تھے۔ ابو منصور محمد بن علی (متوفی ۴۱۸ھ) مدرسہ نظامیہ کے عظیم کتب خانے کی نگرانی مہتممین کے سپرد تھی وہ اپنے زمانے کے بہترین عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ مثلاً القاضی ابو یوسف یعقوب الاسفرائینی (متوفی ۴۹۸ھ)۔ الاسفرائینی کے انتقال کے بعد مشہور شاعر عالم اور ادیب محمد بن احمد الابی وردی مدرسہ نظامیہ کے مہتمم کتب خانہ بنے (متوفی ۵۰۸ھ)۔ ابوالحسن علی جو الخطیب التبریزی کے صاحبزادے اور مدرسہ نظامیہ میں ادب کے پروفیسر تھے (متوفی ۵۰۲ھ)۔ علی بن احمد بن باقری (متوفی ۵۷۵ھ) نامور مصنف اور خوش نویس۔ المدرسۃ المستنصریہ کے کتب خانے میں جو حضرات مہتمم رہے ہیں وہ اپنے زمانے کی انتہائی اہم شخصیات میں گنے جاتے ہیں، ان میں سے چند کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں:

الشمس علی بن الکتبی جن کو کتب خانے کے یوم افتتاح پر خلعت سے سرفراز کیا گیا۔ ابن الساعی، مشہور مورخ صاحب "الجامع المختصر" (متوفی ۶۷۴ھ)۔ ابن الفوطی (متوفی ۷۲۳ھ) مصنف الحوادث الجامعہ وغیرہ۔ اس منصب پر فائز ہونے سے پہلے ابن الفوطی ناصر الدین طوسی کے ذاتی کتب خانے کے لائبریرین تھے۔ (جاری ہے)